حامدی کاشمیریؔ کی غزلیہ شاعری

ایک تعارف

ڈاکٹر توصیف احمد ڈار

ہر نئے عہد میں بدلتے ہوئے حالات کے تحت ایک نئے شعری مزاج کی تشکیل ہوتی ہے اور اس شعری مزاج کی تعمیر و تشکیل میں اپنے عہد کی معتبر شعری آوازوں کا کردار اساسی اہمیت رکھتا ہے۔ شاعر چونکہ حساس شخصیت کا مالک ہوتا ہے اس لیے خارجی حالات کے دباؤ کے تحت اس کے ذہنی رویئے داخلی تپش کی آنچ میں تپ کر شعری تخلیقات میں متشکل ہوتے ہیں اور یہی عمل نئے رجحان کی نمود کا باعث بنتا ہے۔ انہی رجحانات سے واقفیت رکھنے والا اور ان کی نمائندگی کرنے والا شاعر صحیح معنوں میں عصری شعور کا نمائندہ کہلاتا ہے۔

اسی ''عصریت'' کے تحت ادب کو عرفِ عام میں اپنے سماج کا ترجمان کہا جاتا ہے۔ شکیب جلالی نے انہی عصری تقاضوں سے اپنی غزل کو ہم آہنگ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

ہم نے دیا مزاجِ ہنر لفظ لفظ کو
ہم سے نئی غزل کی شریعت ادا ہوئی

اب جبکہ ادبی منظر نامے پر مابعد جدید تصورات کا اظہار ہو رہا ہے'' دبستان جموں و کشمیر'' سے وابستہ شعرا بھی عالمگیریت اور صارفیت کی زائیدہ ثقافتی صورتحال کے اثرات قبول کر رہے ہیں اور اس کا اظہار شعوری یا لاشعوری طور پر ان کی شاعری میں فطری انداز میں آزادانہ طور پر ہو رہا ہے۔ اکیسویں صدی کے اس بدلتے منظر نامے پر جموں و کشمیر سے جو شعرا ابھر کر سامنے آئے اور جنہوں نے یہاں کی شعری روایت کو اپنی جولانیِ طبع سے بلندی عطا کی ان میں دو طرح کے لوگ شامل ہیں۔ ایک وہ جو موجودہ صدی سے قبل ہی اردو ادب بالخصوص اس خطے کی شعری روایت میں اپنے گہرے مشاہدے، فنی پختگی، منفرد اسلوبِ بیان اور وسیع مطالعے کی بدولت ایک اعلیٰ ادبی شان اور پہچان قائم کر چکے ہیں۔ ایسے شعرا میں حامدی کاشمیری، سلطان الحق شہیدی، شفق سوپوری، ہمدم کشمیری، مظفر ایرج، نذیر آزاد، شبیب رضوی، فرید پربتی، وغیرہ کسی سخت سے سخت شعری انتخاب میں بھی اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔

دوسرا گروہ اُن تخلیق کاروں پر مشتمل ہے جو اس صدی کی پہلی یا رواں دہائی سے ہی اس میدان میں سامنے آئے ہیں اور جو نہایت کم و قلیل مدت میں ہی اپنی فطری صلاحیتوں اور ہنرمندیوں کو بروئے کار لا کر ادبی حلقوں میں اپنی شناخت قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس قبیل کے شعرا میں اشرف عادل، پرویز مانوس، بلراج بخشی، احمد شناس، علمدار عدم، ڈاکٹر منظور احمد، احمد پاشا جی، اور دوسرے درجنوں شامل ہیں۔

اوّل الذکر گروہ سے تعلق رکھنے والے سرِ فہرست شاعروں میں پدم شری

پروفیسر حامدی کاشمیریؔ کا نام ہر اعتبار سے اوّلیت کا حامل ہے۔آپ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک شاعر و ادیب گزرے ہیں۔آپ نے اگرچہ اپنی ادبی زندگی کا آغاز اردو افسانہ نگاری سے کیا ہے لیکن بعد میں وہ ناول، تنقید و تحقیق، غزل، نظم اور رُباعی وغیرہ ادبی اصناف میں بھی اپنے خیالات و مشاہدات کا اظہار کرتے گئے۔یوں وہ ادبی دنیا میں ایک کامیاب افسانہ نگار، ناول نگار، نقاد، محقق، صحافی، سفرنامہ نگار وغیرہ کی حیثیت سے ایک بلند مقام کے حامل ہیں۔ان کے اب تک سات شعری مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں جن میں عروسِ تمنا، نایافت، لاحرف اور شاخِ زعفران وغیرہ شامل ہیں۔عروس تمنا حامدی کاشمیری کی شاعری کا اولین مجموعہ ہے جو ۱۹۶۱ء میں منظر عام پر آ گیا ہے۔''عروس تمنا'' چوں کہ آپ کے شاعرانہ کیریئر کی تشکیلی کاوشوں کو محیط مجموعہ ہے اس لیے اس میں شامل بیشتر نظمیں اور غزلیں روایتی طرز کے موضوعات کو اپنے اندر سموئی ہوئی ہیں۔لیکن اس کے باوجود انہوں نے سامنے کے موضوعات کو جس اسلوب و انداز میں پیش کیا ہے وہ ان کی سخن فہمی اور زبان و بیان پر قدرت کے ساتھ ساتھ ان کے مطالعے اور مشاہدے کی گہرائی و گیرائی کا بھی عندیہ فراہم کرتا ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تو نے صدیوں کے غلاموں کا لہو گرمایا
حریت کی تو نے قندیل فروزاں کردی

چھوگئی تھی کبھی دل کو تری بھولی سی نظر
وہ نظر اب مری تقدیر ہوئی جاتی ہے

میں شالیمار میں ایک خواب زار میں ہوں
وفورِ کیف سے فکر و نظر کو نیند آئی

یہ اشعار مختلف فکری دھاروں کا وہ سنگم ہے جس نے اُس وقت کے بیشتر شعرا کو شعوری و لاشعوری طور پر اپنے حصار میں لیا تھا۔

''نایافت'' حامدی کاشمیری کی شاعری کا دوسرا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اُن کے فکری و تخلیقی اظہارات کے دوسرے پڑاؤ کا بھی اعلانیہ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ایک طرف ملکی سطح پر تقسیم وطن سے پیدا شدہ حیوانیت سوز واقعات نے ترقی پسند تحریک کے اشتراکی فلسفے کی کایا پلٹ دی تھی اور دوسری طرف سائنسی و فلسفیانہ ایجادات و انکشافات نے پوری انسانیت کے سامنے نئی نئی چنوتیاں لا کھڑی کی تھیں۔ زندگی اور متعلقات زندگی کے پیمانے بہت تیزی سے بدلتے جاتے تھے۔ اس بدلتی تہذیبی و ثقافتی صورت حال کی مکمل جھلکیاں ''نایافت'' میں جگہ جگہ دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہ شاعری حامدی کے خارجیت سے داخلیت کے سفر کو درشاتی ہے۔ داخلیت کا یہ سفر مصائب و المناکی سے پُر ہے جس میں قدم قدم پر ظلمت، تشدد، خوف و دہشت، مایوسی و تنہائی اور خودغرضی و دھوکہ فریبی کا آسیب اپنے پر پھیلائے ہوا ہے۔ نایافت کی شاعری جدید صنعتی تہذیب کی انہیں حشر سامانیوں کا سنجیدہ پیش خیمہ ہے۔ جیسے

دشت در دشت اندھے سائے ہیں
کس سے پوچھوں میں اپنا نام و نشاں

آنکھ کے کالے گڑھوں میں وہ گرفتار تھے سب
کس نے گرتے ہوؤں کو ہاتھ سے تھاما ہوگا

وہ خاک وخون میں تڑپتے تڑپتے ٹھنڈے ہوئے
میں کچھ نہ کرسکا کالے دائرے میں تھا

''دشت''، ''اندھے سائے''، '' کالے گڑھے''، ''خاک وخون''، اور ''کالے دائرے'' وغیرہ زمانے کی چالبازیوں اور وقت کی بے رحمی کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں لیکن شاعر کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ان آلام ومصائب کو خارجی معنویت عطا کرنے کے بجائے اپنے داخلی وجود میں ضم کر دیا ہے اور یوں ایک نئی شعری کائنات تشکیل دی ہے۔ ''نایافت'' میں جہاں شاعر نے زندگی اور زمانے کے منفی رُخ کو استعاراتی اور علامتی انداز میں شعری پیکر عطا کیا ہے وہیں اس مجموعے کے بہت سارے اشعار ایسے بھی ہیں جہاں شاعر اس ظلمات میں نور کے ازلی قوت کا بھی سراغ لگاتے محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وہ حقیقی ایقان ہے جو زندگی کو مایوسی اور حسرت ویاس کے دائرے سے آزاد کر کے اس کی اصل چاشنی سے فیض یاب کراتا ہے۔ گویا شاعر زندگی اور زمانے کی تلخیوں سے پریشان ہوکر فرار اختیار نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کر کے جینے کا ہنر رکھتے ہیں۔ وہ مخالف حالات سے مقابلہ کر کے بہتر صورت حال کی توقع کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ وقتی اذیتوں، پسپائی اور شکست کو قبول کرنے کے بجائے عزم واعتماد کا دامن تھامے رکھنا ہی اصل دانشمندی ہے۔ اس حوالے سے یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

توڑ دینا انہیں کیا مشکل ہے
یہ تو خود ساختہ زنجیریں ہیں

یہ اور بات گھرے ہیں حصار ظلمت میں
ابھی نظر میں طلوع سحر کا عالم ہے

کہتے ہیں اب کہیں بھی جانے کی آزادی ہے
نور کی موجوں نے دیوار سیہ ڈھادی ہے

یہی وہ صحرائے آگہی ہے
میں خار خار آفتاب دیکھوں

شہ پروں پر دھوپ لے کے آئے ہیں
بند کمروں کے دریچے وا کرو

''لاحرف'' میں شامل غزلیں کسی مخصوص موضوع کے بجائے انسانی زندگی کے مختلف گوشوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔ بالخصوص بیسویں صدی کے نصف آخر کے بعد کی بڑھتی سائنسی ترجیحات، ذرائع آمد ورفت، شہروں کی وسعت، میکانکی طرزِ عمل اوراس سب سے بڑھ کر روحانی واخلاقی اقدار کی شکست وریخت نے ایک انسان کو جس نفسیاتی تناؤ میں دھکیل دیا اس کا اظہار جگہ جگہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان اشعار میں ایک آسیبی فضا ابھرتی ہے جس میں بیک وقت انسان کی افسردگی اور ہیئت ناکی کی مختلف کیفیات سمٹ کر آئی ہیں۔ یہ انسان ظاہری و باطنی دونوں سطحوں پر بے بسی، لاچاری اور بے یقینی کے کرب میں مبتلا ہے۔ جیسے ؎

اپنی اپنی قبروں میں اترے کوئی چارہ نہ تھا
ہوگئے تھے خود پہ وہ نازل عذابوں کی طرح
چاندنی میں وہ مرمریں پیکر
دھول بن کر بچھڑنے والا تھا

حامدی کاشمیری زندگی سے متعلق ایک تعمیری نقطۂ نظر رکھتے تھے۔انسان کو مرکز کائنات سمجھ کر اس کی سلامتی، امن وترقی اور فلاح و بہبود کے ہمیشہ خواہاں رہے ہیں لیکن مشینی دور کے انسان نے نہ صرف دوسرے انسان بلکہ فطرت اور مظاہرِ فطرت کے ساتھ بھی جو تجارتی اور خودغرضانہ برتاؤ روا رکھا اس نے انہیں شدید غم میں مبتلا کیا۔انہیں اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ موجودہ مادی دور میں انسان، انسانی صفات سے محروم ہوگیا ہے، اس کے یہاں سچائی، معصومیت، محبت، بھائی چارہ اور اجتماعیت وغیرہ جیسی مثبت اقدار کی کوئی معنویت نہیں رہی۔ برعکس اس کے، اس کے اندر کا درندہ جاگ کر انسانیت کے بے دریغ قتل و غارت پر اُتر آیا ہے۔اس غم کا اظہار ان کی شاعری میں کہیں سادہ وسہل اور کہیں علامتی واستعاراتی پیرائے میں ہوا ہے۔جیسے یہ چند اشعار:

کاٹ لیتے ہیں زبان پہلے ، پھر
پوچھ لیتے ہیں کہ خواہش کیا ہے
چپ ہوئے پیڑ باتیں کرتے ہوئے
کوئی پرچھائی آدمی کی ہے
ہر سخن ان کا تھا نفاق انگیز
کتنے شائق رفاقتوں کے تھے

''نایافت'' اور ''لاحرف'' کی طرح ''شاخ زعفران''، ''وادیِ امکاں'' اور بعد کے شائع شدہ دوسرے شعری مجموعوں کی شاعری میں بھی خارجی دنیا سے باطنی دنیا کی جانب سفر کی ایک کثیر الجہت روداد ملتی ہے۔ یہ شاعری جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی صورت حال کی ترجمانی کررہی ہے۔شاعر کی زندگی ذاتی دکھ درد کے ساتھ ساتھ خارجی حالات کی تبدیلیوں اور ہنگامہ آرائیوں سے بھی متصادم رہی ۔ انہوں نے مقامی سطح پر رونما ہونے والے نامساعد سیاسی وسماجی مسائل کا بذات خود مشاہدہ کیا،قومی وعالمی سطح پر تیزی سے ہونے والی انقلاب انگیز تبدیلیوں نے بھی ان کے شعور کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا اور تو اور اس بدلتی صورت حال کے نتیجے میں روایتی اقدار کی پامالی اور زندگی کی بے معنویت سے بھی ان کے قلب و ذہن پیچیدہ اور مبہم تصورات و خدشات سے دوچار ہوتے رہے۔اسی پس منظر میں حامدی کی شاعری کا یہ دور پروان چڑھتا رہا۔اس بات کی تائید حامدی کاشمیری بذات خود ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''ہوش سنبھالنے کے لمحے سے لے کر آج تک، جب کہ میں عمر کی کئی منزلیں طے کر چکا ہوں، خارجی حالات کی تبدیلیوں اور چیرہ دستیوں نے مجھے قدم قدم پر ذہنی طور پر جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے اور میں گہرے دکھ اور ابتلا سے آشنا ہوا ہوں۔ یہ دکھ اور ابتلا جس طرح میری شخصی زندگی پر محیط ہے اسی طرح من حیث الاکل اہل کشمیر کا مقدر بھی رہا ہے، اور پھر برصغیر کے علاوہ عالمی سطح پر بھی فقید المثال تبدیلیاں اور کشمکش بھی دل و دماغ کو کرب آشنا کرتی رہی ہیں۔''

حامدی کاشمیری اپنے گرد و پیش کے مناظر، مظاہر، واقعات، حادثات اور

مانوس استعاروں وعلامتوں سے ایسی شعری فضا تخلیق کرتے ہیں کہ قاری کے ساتھ ذہنی وقلبی رشتہ استوار کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ ''لہو''، ''زمیں'' وغیرہ اس شاعری میں پیش ہوئے بنیادی استعارے ہیں۔ ارضی حوالوں اور التباسات کے ساتھ شعری تجربات کی پیش کش ان کی شاعری کو غیر معمولی بنا دیتی ہے۔اس شاعری میں جدید دور کے انسان کے ٹوٹتے بکھرتے خوابوں کی ترجمانی ملتی ہے ۔حامدی کاشمیری بھیانک عصری منظر نامے کو فن کارانہ سچائی اور تہہ داری کے ساتھ وہ کچھ اس طرح اشعار کے قالب میں ڈھالتے ہیں:

ہوا سے آرہی ہے بُو لہو کی
ضرور اس بستی میں مقتل رہے ہیں
زمین پر ہوں کہ زیرِ آب ہوں میں
یہ شاخِ گل ہے یا شاخِ گہر ہے

یہ اشعار اس صداقت کا اشاریہ ہیں کہ شاعر کی وابستگی اپنی اصل بنیادوں سے بہت مضبوط رہی ہے ۔ اُن کی شاعری میں مقامیت ، مادّیت اور وقعیت، جو معاشرتی حالات کی دین ہے، کا کھل کر اظہار ہوا ہے۔ یہ ارضیت اُن کی شاعری کو مزید وقار بخشتی ہے۔

حامدی کاشمیری کی شاعری کے مطالعے سے اُن کی خلاقانہ صلاحیت،فکری ارتقا،تخلیقی انفرادیت ، زبان و بیان پر بے پناہ قدرت اور انداز بیان کی سحر کاری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔ الفاظ کے تخلیقی برتاؤ پر مناسب گرفت حاصل کر کے انہوں نے اپنے تجربات ، مشاہدات، تخیلات، اپنے ولولوں ، امنگوں اور محرومیوں کو فن کارانہ صورت گری عطا کی ہے۔ان کی شاعری میں بیک وقت نئی حسیّت ،عصریت

اور روایت شیر و شکر نظر آتے ہیں۔ لسانی برتاؤ، شعری جمالیات اور فنی رویوں کے ضمن میں ایسی شاعری کی انفرادیت واضح ہے۔

مختصر یہ کہ جموں و کشمیر کی معاصر اردو شاعری کی جو روایت آج ہمارے سامنے پوری آب و تاب کے ساتھ کھڑی ایک الگ دبستان کا عندیہ دیتی ہے، اس روایت کو حامدی کاشمیری کی سخن وری نے مناسب طور پر استحکام عطا کیا ہے۔ یہی حامدی کاشمیری کا انفراد بھی ہے اور امتیاز بھی۔ میں حامدی کے اس شعر پر اپنی بات ختم کر رہا ہوں:

اس نے بیدار کیا پتھروں کو کیا کہہ کر
جانے کس دیس گیا معجزہ گر تھا کوئی

☆☆☆